کیا نسبت ہے تاریخ میں اس وحشت و بربریت اور درندگی و سبعیت کی مثالیں بہت ہی کم ملیں گی لیکن مسلمانوں کے نامی گرامی زعماء میں سے کتنے ہیں جو وہاں پہونچے ہوں چند جماعتوں کی طرف سے کچھ وفد گئے بھی تو رپورٹ مرتب کرنے کیلئے حالات کا مشاہدہ کر آئے، اخبارات میں بیان شائع کرا دیے چندہ کی اپیلیں کر دیں اور بس ہندوؤں میں گاندھی جی جس مرتبہ کے لیڈر ہیں کیا مسلمانوں میں بھی اسی مرتبہ کا کوئی لیڈر وہاں پہونچا اور اس نے وہاں کے مصیبت زدہ مسلمانوں کے زخمی دل و جگر پر اپنے ہاتھ سے تسکین و اطمینان کا پھایہ رکھنے کی کوشش کی جب گھر میں آگ لگ رہی ہو اور تمام سامان جل بھن کر خاک سیاہ ہو رہا ہو اس وقت محض بیان دیدینا کیونکر تقاضائے ہمدردی کی تکمیل کر سکتا ہے۔ پھر اس سلسلہ میں جو بیانات شائع کیے گئے ہیں ان میں بار بار انتقالِ آبادی کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ انتقالِ آبادی کا معاملہ اگر ہزاروں کا ہوتا تو اس پر غور بھی کیا جا سکتا تھا لیکن لاکھوں، کروڑوں کی آبادی کو کس طرح ایک حصۂ ملک سے منتقل کر کے دوسرے حصہ میں آباد کیا جا سکتا ہے، پھر اس ناممکن العمل تجویز کو عمل میں لانا اگر مسلمانوں کیلئے ایسا ہی نہایت ضروری اور مفید ہے تو اس کا اہتمام و انصرام خود کرنا چاہیے تھا مگر اس دریوزہ گری کا بُرا ہو کر اس کے لیے بھی درخواست وائسرائے بہادر سے ہی کی جا رہی ہے۔ گویا۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب　　اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

آہ اے خدا! آج آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی اور قلب یہ کیا محسوس کر رہا ہے کہ تمام صفاتِ کمال، عزم و ہمت، جوشِ عمل، خود اعتمادی، عقل و فہم و عزتِ نفس، غیرت سب میں موجود ہیں اور خود تیرے نام لیواؤں کا دامن ان سے تہی ہے، ہمارا جو قدم اٹھتا ہے غلط ہوتا ہے۔ جو بات ہماری زبان سے نکلتی ہے وہ محض جذبات انگیز ہوتی ہے عمل سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا، قومیں بن رہی ہیں اور ہم بگڑ رہے ہیں اغیار پا رہے ہیں اور ہم کھو رہے ہیں۔

اے بہ ترسا بچگاں کردہ مئے ناب سبیل　　نہ کنی چارہ لبِ خشکِ مسلمانے را

ندوۃ المصنفین اور ہندوستان کے دیگر علمی اور دینی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ دہلی، کلکتہ کے مشہور و معروف صاحبِ خیر جناب محترم شیخ فیروز الدین صاحب بنگال کے مسلم حلقے سے کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر منتخب کیے گئے ہیں اس حلقے سے جو دوسرے اصحاب کھڑے ہوئے تھے انہوں نے موصوف کے حق میں اپنا نام واپس لے لیا اور اس طرح جناب شیخ صاحب بلا مقابلہ کامیاب ہو گئے۔ ہم اس مخصوص تعلق کی بنا پر جو جناب موصوف کو ندوۃ المصنفین سے ہے اس اعزاز پر ان کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں۔ آنریبل شیخ فیروز الدین کا وجود اس زمانے میں مسلمانوں کے علمی، ہم
مذہبی اور اجتماعی کاموں کے لئے ایک عظیم اور بہت بڑی غنیمت ہے۔

© rasailojaraid.com

قرآن اپنے متعلق کیا کہتا ہے؟

از جناب مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

(۵)

بصائر موعظت اور بصیرت توام ہیں کیونکہ جس کو بصیرت نصیب ہو جائے وہی موعظت بھی حاصل کر سکتا ہے اور جو نصیحت حاصل ہی نہ کرنا چاہتا ہو اُس کو بصیرت سے کیا سروکار بلکہ یوں کہیے کہ عبرت و نصیحت درحقیقت بصیرت کا قدرتی نتیجہ ہیں، جب قرآن "موعظۃ" ہے تو اس کو "بصیرت" بھی ضرور ہونا چاہیے ورنہ شجرِ بے ثمر اور گلِ بے رنگ و بو کی طرح ہو کر رہ جائے گا جو اُس کی شانِ رفیع کے قطعاً خلاف ہے۔

"بصیرت" اپنے معانی اور مدلولات کے لحاظ سے وسیع المعنی لفظ ہے۔ قلبی عقیدہ، علم یقین، یقینی معرفت۔ عبرت، حجت، برہانِ روشن، فطانت، قلب میں ادراکِ تام و کامل کا حصول، یہ سب ایک ہی حقیقت کا بیان ہیں اور آخری معنیٰ "بصارت" کے مقابل ہیں یعنی آنکھوں کے مشاہدہ سے کسی شئے کا کامل احساس "بصارت" ہے اور قلب سے کامل ادراک کا نام "بصیرت" ہے، چنانچہ آیات "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" اور "بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ" اس فرق کو نمایاں کرتی ہیں۔

پس قرآن بلاشبہ ان تمام معانی اور مطالب کی روشنی میں "بصیرت" ہے، وہ کہتا ہے کہ میں صرف اپنی ظاہری شکل و صورت اور اپنے الفاظ و نقوش کی ہیئت و ترتیب میں "کتاب" اور "قرآن" نہیں ہوں بلکہ اس لیے بھی ہوں کہ قلبِ انسانی کے لیے ایک روشن عقیدہ اور واضح اعتقاد ہوں، لہٰذا صرف زبان سے میری صداقت کا اقرار کافی نہیں ہے بلکہ قلبی یقین

© rasailojaraid.com